Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.97, 2014, pp 05 - 10

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۷

پاکستان کی ابتدائی لسانی صورت حال

بحوالہ ابتدائیہ ''تحریک نفاذ اردو''

ڈاکٹر نوید شہزاد☆

Abstract:

Linguistics is comparatively a less discussed subject in our literary society. Dr. Syed Abdullah and Prof. Fateh Muhammad Malik have written on the significance of Urdu in Pakistan. In this article some critical issues regarding the adaptation of Urdu language in Pakistan have been discussed. Moreover the author has come up which some suggestions as well.

Key Words: Linguistics, Urdu, Significance, Pakistan.

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی کتاب '' پاکستان میں اردو کا مسئلہ''(1) 1976ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ پھر اسے 2005ء میں دوسری بار ''تحریک نفاذ اردو''(2) کے نام سے شائع کیا گیا۔ بقول پروفیسر فتح محمد ملک: اس کتاب کو ہم 'اردو بیتی' بھی کہہ سکتے ہیں اور آپ بیتی بھی۔''(3) میں نے اس کتاب کو 'مقدمہ' سے 'امیدوں اور آرزوؤں' تک موضوع بنایا ہے۔ یہی وہ ابتدائیہ ہے جس کے مختلف پہلوؤں کی مختلف انداز میں توضیح وتشریح کتاب کے بقیہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جسے تاریخی لسانیات

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Historical Linguistics کہا جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اسے سیاسی لسانیات Political Linguistics کہا جانا چاہیے کہ تاریخی لسانیات تاریخ کے سیاسی پہلو سے ہی متعلق متون و مباحث پر مبنی ہوتی ہے، سید صاحب کی مذکورہ بالا کتاب بھی اسی کا حصہ ہے۔ سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ: ''میں نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کہ علاقوں اور دوسرے صوبوں کے لوگ اردو کے ساتھ نہیں، طویل خط و کتابت کی، میرے نیاز نامے کے جواب میں بالعموم محبت اور تودد کے جذبات کا اظہار ہوا، میں ان جواب ناموں کی سند پر یہ اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان میں محبت کرنے والے لوگوں کی اب بھی کثرت ہے۔ یہ نیک دل لوگ ہر دعوت پر لبیک کہتے اور ہر تقاضے پر انا الموجود کا اعلان کرتے ہیں۔'' (4) اب یہ کا ہے کی خوبی کہ کسی علاقے کے لوگ جزوی یا کلی سطح پر کسی کے تقاضے یا دعوت پر اس لیے لبیک کہتے چلے جائیں کہ وہ نیک دل اور اہلیان محبت ہیں۔ ایسا وہ قومیں یا افراد کے ہجوم کرتے ہیں جن کے پاس زندگی تمام کرنے کا نہ کوئی شعور ہوتا ہے اور نہ سلیقہ۔ چونکہ دوطرفہ خطوط کے متون پیش نظر نہیں اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اہلیان وطن سے کس بات کے لیے رضامندی مطلوب تھی، رابطے کی زبان/مشترک زبان، مادری زبان/عوامی زبان۔ جسے آپ قومی/وفاقی زبان کہتے ہیں وہ دراصل مختلف مادری زبانیں رکھنے والوں کے درمیان رابطے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنائی جاتی ہے۔ مگر سید صاحب کی یہ تحریریں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کی تجویز کردہ لسانی پالیسی پر ہر شہری نے لبیک نہیں کہا تھا بلکہ اسے جوں کا توں ماننے سے انکار بھی کیا گیا اور اس اختلاف رائے کو انھوں نے مسلک محبت سے روگردانی قرار دیتے ہوئے لکھا کہ: '' تعجب یہ ہے کہ مسلک محبت سے یہ روگردانی تعلیم یافتہ طبقوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اگر یہ ذہنی حالت جاہلوں کی ہوتی تو میں کچھ تجویز کرتا۔'' (5) اور یہ کہ: ''اگر کچھ وطن دوست اور مخلص اہل محبت ہمت کر کے نفرت اور تفریق پسندی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں تو پاکستان کا لسانی مسئلہ ایک لمحے میں ختم ہو سکتا ہے۔'' (6) انھوں نے مشرقی بنگال کے ایک وزیر مسٹر عبدالقیوم بہار کے ایک بیان کا ذکر کیا جو اُنھوں نے 1948ء میں دیتے ہوئے کہا تھا: ''چونکہ پاکستان میں بنگالی بولنے والوں کی اکثریت ہے لٰہذا پاکستان کی سرکاری زبان بنگالی ہونی چاہیے۔ اسی طرح کراچی کی تعلیمی کانفرنس کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حلقوں میں صوبائی زبانوں کے حق میں غیر معتدل جوش اور حماقت بھی موجود ہے۔'' (7) مگر یہاں ''غیر معتدل جوش'' اور ''حماقت'' کی تفصیل درج نہیں کی گئی البتہ یہ اعتراف کیا گیا

کہ: ''پاکستان کی موجودہ وسعتوں میں پانچ زبانیں موجود ہیں۔ پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی اور مشرقی پاکستان میں بنگالی، جہاں تک مجھے معلوم ہے ان سب زبانوں کے لیے اہل خطہ کے دلوں میں محبت موجود ہے۔ پشتون اور سندھی اپنی صوبائی زبانوں کے بے حد دلدادہ ہیں۔ اہل پنجاب اگر چہ بین الاقوامی ذہن کے لوگ ہیں اور اردو سے انہیں محبت ہے، پھر بھی پنجابی ان کے گھروں اور بازاروں میں بولی جاتی ہے اور قدرتاً انہیں بھی اپنی زبان سے محبت ہے۔''(8) یہاں پھر ''بین الاقوامی ذہنیت'' ذہن میں کئی مثبت منفی اشارے جنم دے رہی ہے۔ اب پتہ نہیں یہ اہلیان پنجاب کے لیے قابل فخر ہے یا پھر............! یہ کہنا کہ: ''بلوچستان، بنگال (مشرق) اور سندھ میں اردو کی ابھی کاشت ہوئی ہے۔ اس پودے کی پرورش کرنی ہے (یہ بات 1948ء کی ہے) ان لوگوں میں اردو کو بڑی دانائی سے رواج دینے کی ضرورت ہے۔ صوبائی زبانوں کی اہمیت کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ان صوبوں میں اردو اور صوبائی زبان ہر دو بطور لازمی مضمون کے پڑھائی جائیں۔ مگر تعلیم کی زبان پرائمری سے اوپر اردو ہی میں ہونی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ جب کبھی ان صوبوں کے لوگ اردو کے دلکش ادب سے براہ راست روشناس ہوں گے تو خود بخود اردو کے دلدادہ ہو جائیں گے۔''(9) اب اس فارمولے سے پنجاب کو منہا کر دیا گیا کہ پنجاب میں بھی اردو کے ساتھ پنجابی کو بطور لازمی مضمون پڑھایا جانا چاہیے۔ گویا مذکورہ تین صوبہ جات کے حوالے سے تجویز کردہ فارمولہ بہ امر مجبوری اپنانے کو کہا گیا ہے۔ اگر یہ تجویز نیک نیتی پر مبنی ہوتی تو پھر اسے پاکستان بھر میں بلاتحدیدات وتخصیصات اپنانے کے لیے کہا جاتا۔ یہ کہا جانا غلط ہے کہ: پنجاب میں اردو کی تیسری لہر 1849ء کے بعد اُٹھی۔ اب کی بار اس کے محرک انگریز تھے۔ جنہوں نے اپنی سیاسی اغراض کے ماتحت ہندوستان میں وحدت زبان پیدا کرنے کی کوشش کی۔''(10) دراصل فرنگی نہ تو ماضی بعید کے حاکمین کی زبان کو کسی حیثیت میں قبول کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی ماضی قریب کے حاکمین کی۔ سو اُس نے وہی کیا جس کی ایک حملہ آور/ قابض سے توقع کی جاسکتی تھی کہ محکومین کو مادری وسرکاری (اجنبی) زبان میں اُلجھا دیا جائے تاکہ دھرتی زادان دونوں کے درمیان نسل درنسل معلق رہیں اور بالآخر نتیجے کے طور اپنے آپ لسانی سطح پر یکجائی سے معذوری ظاہر کرنے لگیں۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انگریز نے پنجاب میں اردو کا نفاذ ''وحدت زبان'' کے لیے نہیں کیا تھا۔ اس بات پر خوشی کا اظہار کیا گیا کہ: ''اردو کو ذریعۂ گفتگو اور ذریعۂ تقریر بنانے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ اب تعلیم یافتہ صاحبان تعلیمی اور علمی

مجلسوں میں اردو میں گفتگو کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔''(11) حالانکہ یہ علمی و تبلیغی اصولوں کے منافی ہے۔ نبی پاک ﷺ عرب کے مختلف علاقوں سے آنے والوں کے سوالات کے جواب نہ صرف اُن کی مادری زبان میں دیتے تھے بلکہ لہجے کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔(12) برصغیر پاک و ہند میں آنے والے مختلف مذہبی مبلغین نے بھی یہی طریق اپنایا کہ اپنے مذہبی ذخائر کے مقامی زبانوں میں تراجم شائع کیے۔ پنجابی صوفی شعراء بھی انہی خطوط پر چلے۔ درج ذیل بیان دیکھیے کہ جو از خود احساسِ برتری کی بنیاد پر تعصب و تنگ نظری سے معمور ہیں: ''مجموعی اسلامی ثقافت کی آئینہ دار سب سے زیادہ زبان اردو ہی ہے۔''(13) ایک طرف یہ کہا گیا کہ: ''میں صوبائی زبانوں کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا'' تو دوسری جانب یہ کہ ''صوبائی زبانوں کو اس طریق سے اہمیت دی جائے کہ ہاتھ کی پانچ انگلیاں بیک وقت مشترک مقصد کے لیے سرگرم عمل ہوں''۔(14) اب مشترک مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے چونکہ: ''طوائف الملوکی اور ذہنی انتشار ملک کے لیے نقصان دہ ہوگا اور اس کا سب سے بڑا سرچشمہ لسانی افتراق اور رنگا رنگی ہے۔ زبان دلوں کی ترجمان ہے۔ زبان کی رنگا رنگی اور بھانت بھانت کی بولیاں جدا جدا مقاصد کی غمازی کریں گی۔''(15) اگر ''ایک مقصد ایک زبان'' کا فارمولہ اتنا عظیم ہوتا تو پھر یقیناً پیغمبر اسلام ﷺ عالمِ اسلام کو ایک زبان میں پرونے کا اہتمام کرتے۔ چونکہ ایسا فطری طور پر ممکن نہیں، سو نہ کیا گیا۔ دوسرا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ: ''ضروری ہے کہ اردو کو سندھ، پنجاب اور سرحد و بلوچستان کی تاریخ، تہذیب اور عوامی زندگی کا بھی ترجمان بنایا جائے۔ جب تک ہماری دیہاتی آبادیاں اردو کے ساتھ وہ سچی وابستگی پیدا نہ کریں گی جو انہیں فی الحال اپنی مقامی زبانوں کے ساتھ ہے اس وقت تک اردو محض خواص اور تعلیم یافتہ طبقے کی زبان بنی رہے گی۔ ہیر رانجھا، سسی پنوں، مرزا صاحباں کے علاوہ لوک گیتوں اور نظموں کو اردو میں منتقل کرنا چاہیے۔ زبان اور شعری تصویریں اس طرح کھینچی جائیں کہ ان کو پڑھ کر اہل خطہ متاثر ہوں اور اس ادب اور شعر کے ساتھ محبت کرنے لگیں۔''(16) گویا بات مشترک یا رابطے کی زبان کی نہیں بلکہ اس سے کچھ آگے بڑھ کر مادری زبانوں کو Replace کرنے کی ہو رہی ہے۔ مضمون کی ابتداء میں جن خطوط کا ذکر چھوا گیا تو ان کے جواب میں سید محمد عبداللہ صاحب کو جو ناپسندیدہ تجاویز موصول ہوئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ: ''اردو میں دوسری پاکستانی زبانوں کے الفاظ زبردستی داخل کرو۔'' یہ تجویز انہیں گراں گزری اور کہا کہ: بھائی اگر کچھ داخل کرنا ہے تو انگریزی میں داخل کرو، باقی کو معاف کر دو۔ پھر یہ

کیوں نہیں کہتے کہ پاکستانی زبانوں میں سے ہر ایک میں بھی اردو الفاظ وتراکیب کی ایک خاص تعداد داخل کرو تا کہ لسانی سطح پر اشتراکِ وحدت کے امکانات زیادہ ہو جائیں۔'' (17) گویا اردو کے حوالے سے مصنف Purism کا قائل ہے۔ جہاں تک پاکستانی زبانوں کا سوال ہے تو وہ وہیں بولی، لکھی جاتی ہیں جہاں اُن کی حیثیت First Language یعنی مادری زبان کی ہے۔ اجنبی لسانی خطوں سے اُنہیں کوئی سروکار نہیں۔ اس لیے وہ ملکی سطح پر اردو زبان کے مقابل ''اشتراکِ وحدت'' کی حیثیت سے مبرّا ہیں۔ اصل بات بقول ڈاکٹر سید محمد عبداللہ یہی ہے کہ ''میری دانست میں اردو کی قومی حیثیت کا کوئی مخالف نہیں البتہ سوچ کے انداز مختلف ہیں۔'' (18) میں ذاتی طور پر اسی کا حامی ہوں کہ اُردو کی اس طے شدہ حیثیت میں اختلاف درست نہیں۔ بجا کہ گریٹر پاکستان میں لسانی حوالے سے اختلافِ رائے تھا اور اب یقیناً نہیں۔ مگر لسانی علماء کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ لسانی مباحث کی بنیاد لسانی اصولوں پر رکھیں۔ جب ایسا اہتمام کیا جائے گا تو پھر یقیناً قومی زبان، وفاقی زبان، رابطے کی زبان اور مادری زبان جیسے عنوانات کی درست تناظر میں توضیح وتفسیر کی جائے گی اور یہ کہ رابطے کی زبان/ قومی زبان و مادری زبان/ عوامی زبان کے دائروں کی الگ الگ صورتوں میں قیام پذیری کسی بھی ملک میں پُرامن لسانی فضا کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

حوالے:

1- ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔ پاکستان میں اردو کا مسئلہ۔ مکتبہ خیابانِ ادب لاہور۔ اول دسمبر 1976ء

2- ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔ تحریک نفاذِ اردو۔ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ اول 2005ء

3- ایضاً ص ج

4- ایضاً ص 2,3

5- ایضاً ص 8

6- ایضاً ص 9

7- ایضاً ص 30

8- ایضاً ص 28

9- ایضاً ص 33

10- ایضاً ص 36

11- ایضاً ص 38

12- ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی۔ پاکستان کے لیے مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل۔ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور۔ فروری 2002ء ص 79, 78

13- ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔ تحریکِ نفاذِ اردو۔ ص 41

14- ایضاً ص 42

15- ایضاً ص 31

16- ایضاً ص 42, 43

17- ایضاً ص 6, 7

18- ایضاً ص 11